

افغانستان میں روسی جارحیت کا ایک سال

نعیم صدیقی

آج ۲۶ دسمبر ہے۔

افغانستانیوں پر روسی جارحیت کی تباہ کاریوں اور جواب میں افغان مجاہدین کے شاندار جہاد و مقاومت کو ایک سال پورا ہو گیا ہے۔ آئیے اس پورے مسئلے پر نظر ڈالیں۔

افغانستان اسلام کے زیر نگیں آنے کے بعد سے اب تک کسی غیر قوم کا غلام نہیں ہوا۔ انگریزوں نے چڑھاٹیاں کیں اور کئی بار سازشوں سے بھی کام لیا مگر جب قدم آگے بڑھایا تو اپنی افواج کی تباہی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ ہر دفعہ یہی تجربہ ہوا کہ اس پتھر کو جو تک نہیں لگتی۔ حتیٰ کہ سرحدی علاقے کے قبائلیوں پر بھی تاخت و تاراج کا عمل کامیاب نہ ہو سکا۔ یہ مشکل خوانین اور سرداروں کو وظیفے دے دے کر اور بڑی بڑی رقوم قبائل میں تقسیم کر کے اتنا ہی فائدہ حاصل کیا جاسکا کہ آزاد علاقوں کے قبائل برطانیوی علاقوں میں حملہ آور نہ ہوں۔ انگریز کو بھی اصل خطرہ روس سے تھا۔ دوسری طرف سے روس بھی اہل افغانستان اور خصوصاً اپنے قریب کے سرحدی علاقوں میں انگریزوں کی طرح اثر و نفوذ بڑھانے کے لیے سرگرم رہا۔ دونوں ایک دوسرے کے علاقہ ہائے نفوذ میں بھی اپنے اپنے ایجنٹ چھوڑتے رہے اور ایک دوسرے کے اثر و نفوذ کی کاٹ کرنے کے لیے جوڑے توڑے بھی کرتے رہے۔ عملاً اس قضیے کا حل ہی چلا کہ نہ روس افغانستان پر تسلط جانے کی کوشش کرے اور نہ برطانیہ کوئی ایسی کارروائی کرے بلکہ دونوں اس شرط پر افغانستان سے دوستانہ تعلقات رکھیں کہ افغانستان آزاد، خود مختار اور غیر جانب دار رہے گا۔

برطانیہ جب برصغیر سے رخصت ہو گیا تو حالات میں ایک اہم تبدیلی آگئی۔ مگر اس کے بعد بھی برطانیہ اور امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک نے افغانستان میں اپنا اثر برقرار رکھا کہ جس سے وہ خلاء پُر ہوتا رہا جو برصغیر سے برطانوی حکومت کا خاتمہ ہوجانے کے بعد پیدا ہوا۔ افغانستان کی آزادی و خود مختاری اور غیر جانب داری برقرار رہی۔ مگر افغانستان کا قریبی ہمسایہ ہونے کی وجہ سے روس کو اپنا اثر و نفوذ بڑھانے کا جو خصوصی موقع حاصل تھا، اُس سے اُس نے پورا فائدہ اٹھایا اور دوستانہ معاہدوں اور تعلقات کے پردے میں بڑی ماہرانہ منصوبہ بندی سے اُس نے حکومت اور فوج اور تعلیمی اداروں اور ذرائع ابلاغ پر اپنی گرفت کو مضبوط کیا۔ آخر زرت یہاں تک پہنچی کہ سیاسی انقلابات کے ظہور اور حکومتوں کے بننے اور ٹوٹنے کا سررشتہ پوری طرح روس کے ہاتھ میں چلا گیا۔ ظاہر شاہ کے دور سے جو روسی ^{خلت} شروع ہوئی وہ کھلی کھلی کمیونسٹ حکومتوں کے قیام پر منتج ہوئی۔ آخری مہرہ اس وقت بیرک کارمل اس شطرنج کا بادشاہ ہے۔

مسلحہ تجربوں سے جب روس نے سمجھ لیا کہ اس کی قائم کردہ کٹھ پتلی قسم کی حکومتوں کو عوام کی تائید کے بجائے شدید قسم کی مزاحمت کا سامنا ہے تو اُس نے جدید ترین بھاری اسلحہ کے ساتھ کثیر التعداد فوج داخل کر دی۔ اکثر گمان کیا جاتا تھا اور خود روس کو بھی شاید یہی خیال ہو کہ افغانستان چھوٹا سا ملک ہے اور اس کے عوام اسلحہ کے لحاظ سے کمزور، تمدن کے لحاظ سے پس ماندہ اور تعلیمی لحاظ سے بے وزن ہیں لہذا افغانستان کی جنگ چار دن کا کھیل ہے۔ لیکن اس چھوٹے سے ملک کے اُمتی اور ہمتی عوام نے ایک عالمی قوت کی فوج کو ناکرں چنے چبوا دیئے ہیں۔ روس اور دوسروں کا اندازہ یہ تھا کہ افغانستان میں مزاحمت کا انسداد ہفتے دو ہفتے میں نہ ہوا تو مہینے دو مہینے میں ہو جائے گا، مگر افغان مجاہدین نے تمام ٹائم ٹیبل غلط کر دیئے ہیں۔

لہ روس کے اشارہ ابرو سے قائم ہونے اور جلد جلد بدلتی حکومتوں کے بعد افغانستان میں اس کی فوج کے داخل ہوجانے پر مغربی قوتوں کو اپنے مفاد کی فکر ہوئی اور وہ مجھو نچکے ہو کر جبلت میں متفرق تدبیریں کرنے لگے۔ امریکہ نے مستقبل کی پیش بندیوں کے لیے سابق شاہ ایران کے ہاتھوں جنگی قوت کا جو بھاری مرکز ایران میں بنوایا تھا وہ امام خمینی کے برپا کردہ انقلاب کے نتیجے میں امریکہ کے ہاتھ سے نکل گیا (باقی برصغیر آئندہ)

روس کے ۸۵ ہزار فوجی افسروں اور سپاہیوں نے جدید ترین مشینیں اسلحہ اور تباہ کار سامان کے ساتھ ایک کروڑ، ۶۴ لاکھ، ۸۳ ہزار پانچ سو نفوس کی آزاد مملکت پر حملہ کیا۔ یہ مختصر سی آبادی تعلیم، معیشت اور دفاع کے لحاظ سے روس کے مقابلے میں دسویں نمبر پر بھی نہیں آتی۔ مگر روس کو جو جواب ملا ہے وہ یہ ہے۔

فوجی کارروائی کے بعد دس ماہ کے عرصے میں روس اور کارمل کے ۲۰ ہزار فوجی ہلاک ہوئے، آٹھ سو ٹینک، تین سو سیلی کا پٹر اور بہت سی بکتر بند گاڑیاں تباہ ہو گئیں۔ آج بھی افغانستان کی سرزمین کا بڑا حصہ مجاہدین کے قبضے میں ہے۔ روسی جن شہری علاقوں کے "جزیروں" میں پڑے ہیں۔ وہاں بھی ان پر بار بار اچانک حملے ہوتے ہیں، افسر مارے جاتے ہیں، کئی مرتبہ گولہ بارود کے ذخیروں کو آگ لگائی جا چکی ہے۔ سڑکیں روسیوں کے لیے محفوظ نہیں ہیں۔ کئی پل تباہ ہو چکے ہیں، ایک سے زیادہ بار گیس کی پائپ لائن اڑائی جا چکی ہے، کابل کے آس پاس محفوظ علاقے پر بھی مجاہدین نے بیچارگی جو ٹینکوں کی آہنی فصیل سے گھرا رہتا ہے، کارمل کے محل کو آگ لگائی گئی۔ کابل کے شہریوں نے ہڑتال اور مظاہرے کیے۔ یونیورسٹی کے طلبہ اور طالبات نے جاتیں خطرے میں ڈال کر روسی قبضے کے خلاف جلوس نکالے۔

مجاہدین کی تعداد اب نڈا میں پچاس ہزار تھی۔ اب وہ بڑھ کر ایک لاکھ پچاس ہزار یا اس سے زائد ہے۔ بخریک جہاد کمزور ہونے کے بجائے مسلسل زور پکڑ رہی ہے۔ اب جہاد کو عوام نے طریقہ زندگی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

کوئی متبادل صورت موجود نہ تھی۔ اس مقابلے میں امریکہ اور مغربی قوتوں کی ڈیپلومیسی کا دیوالیہ پن نمایاں ہو گیا۔ انہیں دس سال پہلے سے اندازہ ہونا چاہیے تھا کہ کیا ہو سکتا ہے اور کیا ہونے والا ہے، اور اس کے توڑ کے کیا انتظامات ہونے چاہئیں تھے۔ جتنا یہ بھی مغربی قوتوں کی کوتاہی تدبیر کا ایک مظاہرہ ہے کہ انہیں ایرانی انقلاب کے بعد کوئی نئی صورت بروقت اختیار کرنے کا راستہ نہیں ملا۔ اب ایک طرف زیادہ تر انحصار خلیجی ریاستوں اور مصر پر کرنا پڑا اور دوسری طرف تجارت کے حق میں غلط بنجیاں ہو رہی ہیں۔

لے سٹر حبیب احمد بلخی نے جو ۱۴ ستمبر کو ۲۵۰ ساتھیوں کے افغانستان سے فرار کر کے اپنے بیان میں بتایا کہ روسی فوج کے ساتھ کیوبا، ویت نام، جنوبی یمن اور چیکو سلواکیہ کے ماہرین کو جمع کیا جائے تو افغانستان کے خلاف محاذ جارحیت ۲ لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔

کے طور پر اپنا لیا ہے۔

میرا خیال تھا کہ اس موقع پر ان بہیمانہ حملوں اور مجرمانہ کارروائیوں کا ذکر کیا جائے جو روس نے افغانی عوام کو گولیوں، بموں اور زہریلی گیسوں کا نشانہ بناتے ہوئے کی ہیں اور ان کی پیٹ میں جنگ سے بے تعلق معذور اور بوڑھے افراد اور عورتوں اور بچوں کی کم سے کم ۵ لاکھ تعداد کو لیا ہے۔ بستیاں کی بستیاں تباہ کر دی ہیں۔ جینیوا کنونشن کے فیصلوں کو بری طرح پامال کیا گیا اور کیا جارہا ہے۔ لیکن فی الوقت اس پہلو سے تفصیل میں جانا ممکن نہیں۔

اس وقت روس کو نظر باقی محاذ پر پہلی مرتبہ ایک بھر پور شکست ہوئی ہے۔ صدی کی تاریخ میں یہ بڑا عظیم واقعہ ہے۔ اسے انگریزی محاورے کے مطابق "انجام کا آغاز" (BEGINNING OF THE END) کہنا چاہیے۔ بجاری بھڑک مسٹ اٹھی یوں تو گرتے گرتے گرے گا مگر یہ پہلا موقع ہے کہ اسے سوئڈ پر کاری ضرب لگی ہے۔

اولین پہلو یہ ہے کہ روسی اشتراکیت کے ملحدانہ فلسفہ مادیت کے لحاظ سے جو کچھ ہوا ہے سب مادے کا کھیل ہے اور مادی طاقت ہی کشمکش میں فیصلہ کن ہوتی ہے۔ اس فلسفے کو افغانستان میں ناسخ بردے کے پیرفکاموں نے توڑ کے رکھ دیا ہے۔ انہوں نے یہ کرشمہ دکھایا ہے کہ ایک کم تعداد اور مادی لحاظ سے کم ترقی یافتہ اور کم بلکہ برائے نام ساز و سامان سے ایسے متفرق رونا کار سپاہ محض اس بنا پر دنیا کی عظیم عسکری قوت کا منہ پھیر سکتی ہے کہ وہ ایمان اور غیرت کا غیر مادی جوہر رکھتی ہے۔ ایمان و غیرت کا جوہر نہ ہوتا تو افغانستان بھی ہنگری اور چیکو سلواکیہ کی طرح حریت کے ایک ہی پتے میں سر جھکا دیتا۔ ثابت ہو گیا کہ انسان کے پاس مادی قوت سے زیادہ بڑی قوت بھی موجود ہے اور یہ جب کام کرتی ہے تو تھوڑی سی مادی قوت کئی گنا زیادہ اثر دکھاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں افغانستان کی جنگ مادے اور ایمان کی جنگ ہے۔ افغانستان نے جرأت و عزمیت کی ایک ایسی مثال قائم کر دی ہے جس کی وجہ سے روس کی وہ دہشت ختم ہو گئی ہے جس کی وجہ سے کوئی سامنے

لے ہر قبیلہ اپنے افراد کی ایک مقررہ تعداد کو برسرِ جہاد رکھتا ہے۔ تین تین ماہ بعد سابق گروپ کو واپس بلا کر نیا گروپ بھیج دیا جاتا ہے۔

کھڑا ہونے کو تیار نہ تھا۔ اور یہ بہت بڑا نقصان ہے جو روس کو پہنچا ہے۔ اگر خدا نخواستہ وہ ایک جگہ فتح بھی پالے تو بھی اب اسے دنیا میں جگہ جگہ مزاحمتیں پیش آئیں گی۔ چنانچہ دیکھ لیمے کہ پولینڈ کے مزدور ٹوٹ کر کھڑے ہو گئے ہیں اور انہوں نے بھی سوشلزم کے فلسفے کی اس بنیاد کو باطل کر دیا ہے کہ سوشلسٹ نظام میں مزدوروں کی حکومت ہوتی ہے یا ان کی فلاح و بہبود کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ یا وہ راضی خوشی اس نظام کی گاڑی کے قلی بنتے ہیں۔

دوسرا بڑا سانحہ حکمت مارکسزم کیونزم کو یہ پیش آیا ہے کہ اس کے پورے فلسفے کی بنیاد جن دعووں پر ہے، ان میں ایک ایسا دعویٰ میکس ٹوٹ گیا ہے جس کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ اشتراکیت کے مادی نظریے کا ایک ستون چکنا چور ہو چکا ہے۔

نصویر یہ تھا کہ مذہب ایک ایون ہے "یعنی وہ عملی قوتوں کو مفلوج کر دینے والا نظام اعتقادات و مسومات ہے۔ مگر ادھر عالم اسلام میں نصف صدی سے جو اسلامی تحریکیں جدید تمدنی و سماجی شعور کے ساتھ اسلام کے خدا پرستانہ نظام حیات کی دعوت لے کے اٹھی تھیں۔ ان کی انقلابی روح اور ان کا مثبت انداز اقدام نظری طور پر اشتراکی فلسفے کا رد تھا۔ روس کے عین دروازے پر افغانی قوم مذہبی امپریٹ کے ساتھ روس کے خلاف علم جہاد بلند کر کے کھڑی ہو گئی اور محض کھڑی ہی نہیں ہو گئی بلکہ اس نے روس کے سر ٹیپزور کو چکرا دیا۔ ساتھ ہی اسلامی رجحانات کے تحت ایران میں ایک ایسا انقلاب آیا جس کی لہریں بادشاہت کو بہالے گئیں۔ اس طرح نظری حقیقت عملی شکل میں سامنے آگئی۔ یہ گویا اشتراکیت کے بنیادی فلسفے کا پہلا تزلزل ہے جو حال کی تاریخ کے اسٹیج پر اقوام عالم کے فرد فرد کو دکھائی دیا ہے۔ تاریخ کی شہادت یہی ہے کہ باطل فلسفوں کی ایک بار جب بنیاد ہل جاتی ہے تو پھر آہستہ آہستہ عمارت کے رڈے گرنے لگتے ہیں۔ وقت آتا ہے کہ صرف بلبہ باقی رہ جاتا ہے۔

لہ حقیقت یہ ہے کہ تمام ممالک جہاں کمیونسٹ حکومتیں قائم ہیں ان کے مزدوروں اور کسانوں کی محنت سے اصل فائدہ روس ہی اٹھاتا ہے۔ ان کی کستی محنت سے زرعی خام اجناس بھی حاصل کی جاتی ہیں اور چھوٹے درجے کا صنعتی مال بھی ان کے ذریعے ارزاں نرخوں پر لیا جاتا ہے۔ دوسری طرف سے روس کی قیمتی مصنوعات کے لیے کمیونسٹ ممالک بہترین منڈیاں ثابت ہوتے ہیں، بلکہ روس کے ماہرین کی گراں بہا خدمات کی فروخت کا بھی یہ بہترین دائرہ ہے۔ یعنی کمیونسٹ روس بھی ایک توسیع پسند سامراجی قوت ہے جو مغرب سے بھی زیادہ جبر کیش ہے۔

ایک طرف روس کو نظر پاتی سماز پر اس شکست کا سامنا ہے۔ دوسری طرف عسکری محاذ پر بھی کوئی ایسی فتح حاصل نہیں ہوئی جس کی خوشی کے نشے میں نظر پاتی شکست کے زخم کی ٹیسیوں سے توجہ ہٹ جائے۔

پھر آس پاس کے علاقوں میں اسلام کے تحریکی ظہور کا اثر دوس کے ان علاقوں پر بھی پڑ رہا ہے جہاں خود تیزی کر کے مسلمانوں کو تباہ کیا گیا تھا اور مسلسل کئی سال سے ان کی بدمین داشتگ کے ان کے ذہنوں میں بخدا نہ فکر کی پیروی لگائی گئی ہے۔ مسلم بیڈروں، مسلم اساتذہ، مسلم لٹریچر سے محروم علاقوں میں کہوڑوں مسلمانوں کو اسلامی عبادات اور اسلامی کلچر سے بیگانہ کر دیا گیا ہے۔ پھر بھی اسلام کی ایک دوج بیتاب باقی ہے۔ جیسے کہ پاکستان کے ایک نوجوان دانشور اعجاز گیلانی نے سمرقند، بخارا اور تاشقند کے دورے کے حالات بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ باوجود سرکاری نگرانی میں کئے ہونے کے، بہت سی باتیں جبریت کے پردوں سے چھین چھین کر سامنے آگئی ہیں، مثلاً بخارا کی ایک بزرگ خانوں کا یہ فقرہ کہ ”ہم بھی مسلمان ہیں، مگر ہم پر کفار حکومت کر رہے ہیں“ ان احساسات کی ترجمانی کرتا ہے جو بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں افغانستان میں مسلم نسل کے جو سپاہی لائے گئے تھے ان کو امریکی اور چینی فوجوں کے خلاف لایا گیا تھا۔ مگر جب مقابل میں آہوں نے افغان مسلمانوں کو لڑنے دیکھا تو وہ ڈھیلے پڑ گئے۔ اٹل آہوں نے افغانستان میں قرآن شریف حاصل کیے۔ ایک تاجیک مسلم سپاہی نے تفرار کر کے باہر پناہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ کہ مسلم فوجیوں کو واپس کر دیا گیا۔

تازہ ترین خبر یہ ہے کہ روسی صحافیوں کی ایک تعداد نے نہ صرف قبول اسلام (یا اظہار اسلام) کی حرات کی بلکہ یہ مطالبہ بھی کیا کہ مسلم صحافیوں کو الگ منظم ہونے کی اجازت دی جائے، اس پر حکومت چونکئی ہو کہ انہیں دبانے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ اس طرح اسلام روس کے لیے ایک وجہ پریشانی بن رہا ہے۔

افغانستان کے ۹۹ فیصد مسلمان یوں تو اپنی جگہ اسلامی عقاید و عبادات اور معاشرتی آداب و شعائر پر قائم تھے، مگر ان کی اسلامیت ایک متحرک تاریخی قوت کی حیثیت سے نمایاں نہ تھی۔ وہ قبائلی سطح سے آگے نہیں نکل رہے تھے۔ اس کے لیے تو مثبت تدبیر یہ ہو سکتی تھی کہ وہاں کوئی قوت اسلام کی دعوت و تعلیم کو انقلابی شعور کے ساتھ پھیلاتی اور ایک نئی اجتماعیت پیدا کرتی جو قبائلی عینتوں سے بالا تر ہوتی، افغانستان میں کام دوسرے راستے سے ہوا۔ یعنی مخالف اسلام تبدیلیوں نے افغانوں کے جذبہ ایمانی کو بیدار کر دیا اور جب وقت کے چیلنج نے پکارا تو وہ جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

اسلامی تحریک کا آغاز ظاہر شاہ کے دور میں ہوا۔ مگر کس طرح؟

ظاہر شاہ کو روسیوں نے آہستہ آہستہ اس حد تک آسیب زدہ کر لیا کہ فوج، انتظامیہ تعلیمی اداروں میں روس کے ماہرین بھی آ آ کر شامل ہوتے رہے۔ اور روس کے پروردہ کمیونسٹوں کی بھی اچھی خاصی تعداد ہر شعبے میں گھس گئی۔ حتیٰ کہ ادب اور ذرائع ابلاغ پر بھی اس عنصر کا تسلط قائم ہو گیا۔ پشتو اور فارسی، دونوں زبانوں میں ادبی اور نشریاتی میدانوں میں سپی لوگ کام کرنے لگے، روس کی خاص اپنی تعلیم گاہیں قائم ہو گئیں، اور افغان نوجوانوں کو روس کی یونیورسٹیوں میں لے جا کر تعلیم دلانے کا پروگرام بھی اختیار کیا گیا۔ روسی ایڈ بھی آنے لگی۔ اور سفارتی اور ثقافتی دوستی بھی نشوونما پاتی گئی۔

۱۹۶۶ء میں ظاہر شاہ ہی کے دور میں ایسے "سرخ" حالات پیدا ہو گئے کہ کابل یونیورسٹی میں نماز ادا کرنا باعث عار سمجھنے لگا۔ گویا محمدانہ کمیونزم کی بیخار خطرے کے نشان سے آگے نکل آئی۔ اس صورتِ حالات میں ایک طرف علماء تھے جن میں بے چینی تو موجود تھی اور وہ اپنے خطبوں میں اشارات و کنایات میں دل کا بخار بھی نکال لیتے لیکن اس سے آگے کوئی قدم اٹھانا ان کے بس میں نہ تھا۔ عوام شعور و حرکت دلانے اور منظم کرنے والی کسی قیادت کے بغیر اپنا پارٹ ادا نہیں کر سکتے تھے۔

اس موقع پر تحریک اسلامی کا پہلا سرٹپہ کابل یونیورسٹی ہی سے پھوٹا۔ فیکلٹی آف شریعہ کے چیئرمین غلام محمد نیازی تھے، جو بہ حیثیت استاد اپنی مشکلات کے باوجود طلبہ میں اسلامی روح پھونکنے کا کام کر رہے تھے۔ ان کے زیر سایہ ایک نوجوان طالب علم عبدالرحیم نیازی اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے پابندیوں اور تشدد کے باوجود کھل کر اسلام کے لیے کام کیا۔ اور متعدد نوجوان طلبہ اس کے گرد جمع ہو گئے جن میں زندہ اصحاب موجودہ تحریک کی قیادت کر رہے ہیں۔ اساتذہ میں سے سیاف اور ربانی بھی اسلامی تحریک سے متعلق تھے۔ فیکلٹی کے چیئرمین غلام محمد نیازی کو حوالہ زنداں کیا گیا اور انہیں جیل ہی میں شہید کر دیا گیا۔ نوجوان طالب علم لیڈر عبدالرحیم نیازی کو شدید علالت کی حالت میں علاج کے لیے دہلی لایا گیا اور یہاں سے اس کی لاش واپس کی گئی۔ حکومت کی طرف سے بتایا یہ گیا کہ خون کا سرطان مٹھا، مگر بعد میں پتہ چل گیا کہ وہاں چھپ گئیں کہ عبدالرحیم کی شہادت زہر خورانی کے نتیجے میں ہوئی ہے۔ اساتذہ میں مولوی عبدالرحمن بھی شہید کر دیے گئے۔

عبدالرحیم نیازی کے بعد افراد کی ایک کمیٹی بنی، جس نے سید قطب شہید اور مولانا مودودی کے طریقے کے بل پر تحریک کو آگے بڑھایا۔ ان پانچ میں سے انجینئر حبیب الرحمن (جنہوں نے سردار داؤد کے زمانے میں

مولانا مودودی سے طاقات کی محقق، انجینئر سیف الدین، ڈاکٹر محمد عمر، عبدالقادر چار اصحاب کو ختم کر دیا گیا۔ صرف ایک پانچویں رکن گلبدین حکمت یار زندہ ہیں۔ یہ تمام کے تمام اس زمانے میں طالب علم تھے۔

دوسری طرف نوجوان طلبہ کے حرکت میں آنے کی وجہ سے علماء کے گروپ نے بھی کرپٹ لی۔ ظاہر شاہ کے دور میں تو یہ دھیمے اور گھٹے ہوئے انداز سے کام کرتے رہے۔ مگر سردار داؤد کے زمانے میں کھل کر میدان میں آگئے۔ ایک راوی ثقہ نے مجھے بتایا کہ ظاہر شاہ کے آخری دور میں تحریک اسلامی کے ۲۵ نمائندوں کی ایک خفیہ میٹنگ کابل سے کچھ دور ایک گاؤں میں ہوئی تھی۔ حالات کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ اب ان میں سے صرف ۴ زندہ ہیں۔

بات کہیں سے کہیں نکل جائے گی یہاں یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ مسلم نوجوان طلبہ کی تحریک نے کیونزیم کے خلاف اتنی بیزاری پیدا کر دی کہ ۱۹۷۲ء میں اسٹیم لپنڈ نوجوانوں نے تعلیمی اداروں میں الیکشن جیت لئے تھے کہ عین روسی پالیٹیکنیکل یونیورسٹی میں روس کے صدر پوڈگورنی کے دورہ کابل کے وقت آگاہ کر دیا گیا کہ وہ اس یونیورسٹی میں داخل نہیں ہو سکتے۔

اس مختصر جائزہ احوال سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ موجودہ تحریک جہاد کاپس منظر کیا ہے اور اس کی جڑیں کہاں تک پھیلی ہوئی ہیں۔

برزنیف صاحب نے بھی حالیہ دورہ بھارت کے دوران میں یہ اقرار تو کر لیا کہ افغانستان میں حالات بہت خراب ہیں۔ تو پھر یہ کہنا کہ چند ڈاکوؤں اور لٹیروں نے ہنگامہ کھڑا کر رکھا ہے۔ کیسے معقول ہو سکتا ہے؟ سوال یہ ہے کہ اگر ایک ملک کے اکثر و بیشتر حصے میں روس اور اس کی فوج اور کارمل حکومت کے خلاف تند و تیز جذبات پھیلے ہوئے ہیں۔ جہاں کسی روسی کا داخل ہونا ممکن نہیں اور جہاں کرنل حکومت کا ذرہ بھرا اثر نہیں۔ تو پھر اس ملک کے وہ کونسے عوام ہیں جنہوں نے آپ کو بلا یا تھا یا جن کو بیروتی حملہ آوروں سے بچانے کے لئے حکومت افغانستان نے آپ کو دعوت تکلیف دی تھی؟

عوام میں سے ۱۳ لاکھ افراد پاکستان میں ترک وطن کر کے پڑے ہیں۔ ۲ لاکھ ایران میں ہیں۔ ۵ لاکھ افراد کو روسی کرنل کارروائیوں نے ختم کر دیا ہے (ایک دوسری رپورٹ کے لحاظ سے یہ تعداد دس لاکھ ہے) ۱۱ لاکھ مجاہدین برسرِ پیکار ہیں۔ یورپ، مشرق وسطیٰ، ہندوستان اور امریکہ میں پناہ گزین مہاجرین کی تعداد

۲ لاکھ ہے۔ اس تعداد کا ایک حصہ تعلیم اور ملازمت کے لئے پہلے سے باہر موجود تھا۔ اس طرح تقریباً کل آبادی میں سے فہمدا سمیت ۲۲ لاکھ افراد تو صرف بچا مخالف جانب کے ہوئے۔ باقی بڑا اکثر ڈر سے کچھ کم تعداد رہ جاتی ہے۔ اس تعداد میں سے عورتوں بچوں اور بوڑھوں کی تعداد الگ کر دی جائے تو مردانہ کار کا تناسب ۵/۱ ملحوظ رکھتے ہوئے کل تعداد ۲۸ لاکھ سے قدرے زائد بنتی ہے۔ کیا آپ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہر ۲۸ لاکھ عوام آپ کے ساتھ ہیں؟ ان ہر ۲۸ لاکھ میں سے اگر چوتھا حصہ بھی نام نہاد "ڈاکوؤں لیٹروں" کی صرف ۱/۱۰ لاکھ تعداد کے مقابلے پر آجانا تو بغیر کسی خارجی سپاہ اور سامان کی مدد کے فقط ایک ہفتے میں سب کا صفایا کر سکتا ہے۔ اتنی بڑی تعداد (اور اس میں جوان عورتوں اور بوڑھوں بچوں کی جزوی مدد بھی شامل کی جا سکتی ہے) اگر ڈاکوؤں لیٹروں کو اپنی آبادی اور وادیوں یا پھڑوں میں گھسنے نہ دے یا ان کی مجزی کرنے ہی پر تکی جائے تو قلعہ ختم ہو سکتا ہے۔ مجاہدین اور دیگر عوام کا تناسب ۸:۱ یا ۹:۱ کا ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ قوت آپ کے ساتھ نہیں ہے۔ یہ تعداد براہ راست خود جنگ کرے یا نہ کرے، اس کی ساری حمایت دہمروئی مجاہدین آزادی کے ساتھ ہے۔ دیہی آبادی میں معمول یہ ہے کہ مجاہدین جہاں جاہیں ان کو پناہ دینا اور ان کے کھانے پینے کا انتظام کرنا یا ان کی رہنمائی کرنا اور دشمن کے متعلق اطلاعات دینا سب کے لئے ایک لازمی امر ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مجاہدین ایک ماہ بھی نہ لڑ سکتے۔ دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ کارل حکومت کی افغانی فوج کے دستے اور بریگیڈ اور ڈویژن وقتاً فوقتاً مجاہدین سے جاملتے ہیں پھر دنیا بھر نے دیکھ لیا کہ لیونیوسٹیوں کے نوجوانوں اور شہروں کے دوکاندار مجاہدین سے گہری ہمدردی کا اظہار ہمارے ہاتھوں اور نظموں کی صورت میں کرتے رہے ہیں اور جانی اور مالی نقصان بھی اٹھاتے رہے ہیں۔ اتنا ہی نہیں کارل حکومت کے افسران اور ملازمین بھی چار دن چار وقت گزار رہے ہیں۔ ورنہ ان کی دلی حمایت بھی مجاہدین ہی کے لئے ہے اور روسی تسلط سے سبزر رہیں۔ اس کے شواہد ملاحظہ ہوں۔

- ۱۔ افغانستان کی قومی امداد ان امداد یا کچین پائلٹ مشرق حبیب اللہ بلخی ۲۵۰ ساتھیوں کے ہمراہ ایک خفیہ اسکیم کے تحت اجومی سے شروع کی گئی تھی ۱۴ ستمبر کو روس کے تسلط سے نکل بھاگا اور فرنیٹ فرٹ پہنچ کر ان لوگوں نے ایک پریس کانفرنس میں بتایا کہ افغانستان میں روس کے فوجی اقدام کے خلاف مزاحمت بڑھ رہی ہے۔ اور یہ کہ افغان مجاہدین آزادی کیلئے آخری سانس تک لڑیں گے۔
- ۲۔ کارل حکومت کی طرف سے محاذ خیز پکیتروں کو لپنسکو کے ۲۱ ویں اجلاس میں نمائندگی کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا اور اس اجلاس میں میکسی ایڈم رپورٹ بہ سلسلہ آزادی مجاہدین پر غور ہونا تھا۔ ایک سے باہر جا کر محاذ خیز کارل حکومت سے تعلق ختم کرنے کا اعلان کیا اور مغربی جرمنی میں سیاسی پناہ طلب کی۔ محاذ خیز نے پریس انٹرویو میں بتایا

کہ کسی محب وطن کے لئے افغانستان کی صورتِ حالات قابلِ قبول نہیں۔ ۹۰ فیصد افغانی روس کی چھو حکومت کے خلاف ہیں۔ کابل کے مرکزی جیل خدنے میں ۱۶ اہرار وانشور، طلبہ، اہل علم اور تاجر موت کے گھاٹ اتارے جا چکے ہیں۔ اختر صاحب کا اندازہ ہے کہ روس کے آنے کے بعد سے اب تک کل دس لاکھ افراد کا خاتمہ کیا جا چکا ہے۔ محمد اختر نے بڑے بڑے کریمے بتایا کہ انہوں نے اپنے دوستوں اور رفیقوں کو فوجی دستوں کے ہاتھوں گولیاں کھاتے دیکھا ہے۔

۳۔ ابھی ابھی کارمل حکومت کی وزارتِ خارجہ کے ڈپٹی ڈائریکٹر مسٹر غفور زئی کو غیر جانبدار تھوڑیکہ کے اجلاس میں شرکت کے لئے حکومت کے نمائندے کے طور پر یورپ بھیجا گیا تھا۔ موصوف نے بجائے حکومت کی نمائندگی کے بھرے اجلاس میں اپنی قوم کی منظومیت کا دکھڑا رویا۔ روسی جارحیت کا پول کھولا، اجلاس ہی میں حکومت سے استعفیٰ دینے کا اعلان کیا اور سیاسی پناہ حاصل کر لی۔

۴۔ اس سے پہلے متعدد کھلاڑیوں کا ایک گروہ کارمل حکومت کے منہ پر سے نکل بھاگا۔ اس قسم کے شواہد کسی بھی ملک کی حقیقی صورتِ حالات کو دنیا بھر کے سامنے واضح کر دینے کے لئے کافی ہوتے ہیں۔ لاکھوں افراد کا اجڑ پڑ کر اور زخمی ہو ہو کر کسی ملک سے نکل کھڑے ہونا اس امر کا اظہار و اعلان ہوتا ہے کہ وہاں جبر و ظلم کی تلوار چل رہی ہے۔ کیونکہ ترک وطن حالات کے بدترین صورت اختیار کرتے سے پہلے نہیں ہوتا۔ جہاں تک ممکن ہو، انسان گھر اور وطن میں رہ کر ظلم سہتا رہتا ہے۔ ہجرت تو آخری چارہ کا ہے۔ ظلم اور درندگی کے خلاف عملی صدائے احتجاج۔ اس سے بڑا پروٹسٹ کیا ہو گا کہ ۱۳ لاکھ مہاجرین پاکستان میں اور ۲ لاکھ ایران میں اور ۱۰ لاکھ دوسرے ممالک میں مصائب بھگت رہے ہیں۔ روسی جارحیت کے خلاف یہ ایسا خاموش مظاہرہ ہے کہ کوئی پروپیگنڈہ اور ڈپلومیٹک بیان بازی اس کا ٹوٹ کرنے کے قابل نہیں۔

سوال یہ ہے کہ افغانستان کے جن عوام کی نمائندگی کرتے ہوئے ان کی حفاظت کے لئے کابل کی کمیونسٹ حکومت نے روس سے فوجی مدد مانگی ہے۔ آخر ان کے دستے کیوں مہاجرین کے خلاف جا بجاڑنے دکھائی نہیں دیتے۔ سرکاری فوج کی کم ہوتی ہوئی تعداد بھی وفادار اور قابلِ اعتماد نہیں رہی۔ یہاں تک کہ سرکارِ کارمل صاحب نے جبری ہجرت کی، اسکی میں بھی چل میں اور فوجی ملازمت کے لئے حدِ عمر، حدِ تعلیم اور دیگر شرائط نام کر دیں۔ نیز تنخواہوں اور مفادات کا بیاد بڑھا دیا۔ پھر بھی فوج کی وہ تعداد پوری نہیں ہو رہی جو روسی فوج کے

داخل ہونے کے وقت تھی۔ آخر وہ کارمل عوام ہیں کہاں جن کی حفاظت کے نام پر سارا خون خرابہ ہو رہا ہے۔ روس کے سامرا نے پروپگنڈے کے بہترین ماہری بھی ان سوالوں کا جواب نہیں دے سکتے۔
روس کی ایک ہی رٹ ہے — بیرونی مداخلت!

یعنی اندر تو سب غیر ہے، عوام روسی جارحیت کے تحت ہردن کو عید اور ہر شب کو شبِ بربت جانتے ہیں۔ سارا قضیہ تو ایران، چین اور پاکستان کی مداخلت کی وجہ سے ہے۔

اچھا تو فرمائیے کہ ایران نے کتنے بریگیڈ داخل کیے ہیں۔ پاکستان کے کتنے آرمرڈ ڈویژن افغانستان میں لڑ رہے ہیں۔ اور چین سے کس تعداد میں گوریلا فورسز واپس پہنچ گئی ہے۔ کیا مداخلت کا غیر ملکی فوجیوں کی تعداد ۸۰ لاکھ سے زیادہ ہے اور سامانِ جنگ روس سے زیادہ جدید اور بھاری؟ ان مداخلت کاڈ کو آپ غتم کیوں نہیں کر سکتے؟ ان کے راستوں کی ناکہ بندی کیوں نہ ہو سکی، دیدہ بانی کا انتظام کیوں نہیں، ان کی کتنی نعشوں اور کتنے قیدیوں کی تصاویر آپ عالمی پریس کے سامنے لاسکتے ہیں۔ اگر یہ سب کچھ نہیں تو فرمائیے ناں کہ آیا ان ممالک سے جنات کی فوجیں بھیجی جاتی ہیں؟ اور ذرا اس اسلحہ کی بھی نمائش لگا کر عالمی پریس اور فوٹو گرافروں کو ملاحظہ کرادیں، جو بیرونی مداخلت کاروں سے چھینا گیا ہو؟ کتنا اس میں سے چین کا ساختہ ہے، کتنے پر پاکستانی مہرے؟ اور کتنا کسی دوسرے ملک کا ہے؟

پاکستان نے مختلف بین الاقوامی اکابر اور وفد کو ہاجر کمپوں کا تفصیلی معائنہ کرانے دکھا دیا ہے کہ کہیں نہ تو کوئی تہہ بیتی کمپ ہے، نہ سامانِ جنگ کا ڈپو، نہ کوئی بھرتی کا دفتر، مگر روسی پروپگنڈے کی ایک ہی رٹ چلی جا رہی ہے۔

ایک دعویٰ روس کا ہے، دوسرا افغانستان کے مجاہدین کا — دیکھنا یہ ہے کہ ساری دنیا جن کی نگاہیں ایک سال سے افغانستان پر مرکوز ہیں، وہ دونوں میں سے کسی کے ساتھ ہے۔ ایک پلیٹ فارم اقوام متحدہ کا ہے، دوسرا غیر جانبدار ممالک کا، اور تیسرا اسلامی ممالک کا۔ ان تینوں کی بھاری اکثریت نے روس کے دعووں کو باطل گردانا ہے اور افغانستان کے مجاہدین کے دعوے کی توثیق کی ہے۔ عالمی رائے کی عدالت نے جب ایک واضح فیصلہ دے دیا ہے تو پھر ساری نکتہ آفرینیاں بے کار ہیں۔ روس کو سیدھی طرح سے اپنی جارحانہ کارروائی کے جرم کا اعتراف کرنا چاہیے۔ فوجیں فوری طور پر واپس بلا لینی چاہئیں اور باشندگانِ افغانستان کو کھلا موقع دینا چاہیے کہ وہ اپنی آزاد مرضی سے جیسی اور جس کی حکومت

چاہتے ہوں قائم کر لیں۔

اس وقت روس افغانستان کی چٹانوں میں پھنسی ہوئی اپنی دم کو صبح سلامت نکال لے جانے کے لیے کسی ایسی حکومت کے قیام کا راستہ نکالنا چاہتا ہے جو اس کی کٹھ پتلی بن کر بھی رہے اور افغان عوام کو ٹھنڈا کرنے کا کامیاب ذریعہ بھی ثابت ہو۔ دوسری طرف مغربی ممالک کو بھی اپنے مفاد کے لیے جس طرح روس کا افغانستان پر قبضہ گوارا نہیں اسی طرح یہ بھی پسند نہیں کہ افغانستان کی تحریک جہاد کی فراہم کردہ تیادت کے ہاتھوں اسلامی حکومت کی کوئی شکل قائم ہو۔ مغرب والوں کو اگر دو ملاؤں میں سے ایک کے انتخاب کے سوا کوئی اور راستہ نہ ملے تو وہ کسی طرح کی اسلامی حکومت کے مقابلے میں لادین کمیونسٹ حکومت کو ترجیح دیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طرف مغربی طاقتیں یہ چاہتی ہیں کہ مجاہدین روس کی زیادہ سے زیادہ مزاحمت کریں اور اس کے قدم نہ لگنے دیں، اور ان کے ہاتھوں سے روس کی قوت اور ساکھ کو نقصان پہنچے۔ اپنی اس خواہش کے تحت وہ عالمی رائے عام کی مخالف روس فضا کو موثر بنائے رکھنے کے لیے پروپیگنڈے کی ترقی استعمال کر رہے ہیں، نیز ہاجرین کو یورپ، برطانیہ اور امریکہ کی طرف سے پاکستان میں کچھ نہ کچھ امداد ملتی رہتی ہے۔ دوسری طرف ان کی چھپی ہوئی خواہش یہ ہے کہ تحفظ ایمان و آزادی کے جس محرکے میں والہانہ طور سے قربانیاں دے رہے ہیں، اس کی وجہ سے ان کی افرادی قوت زیادہ سے زیادہ تباہ ہو جائے، نیز ان کی رہی ہوئی قوت کو افتراق انگیزی سے اتنا نقصان پہنچا دیا جائے کہ وہ بے دم ہو کر ایک ایسے درمیانی حل کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں جس پر روس اور مغرب دونوں بھی راضی ہوں۔ اس طرح تین مقاصد حاصل ہوتے ہیں:۔

اولاً روس کی واپسی، ثانیاً ہاجرین افغانستان کی قوت کی کمی، ثالثاً غلبہ اسلام کے خطرے کا انسداد۔ یہی باعث ہے کہ وہ عملاً ہاجرین کی کوئی ٹھوس امداد نہیں کر سکے۔ انہوں نے روس کے خلاف غلے، مصنوعات اور ٹیکنالوجی کی بہم رسانی پر جو جزدی پابندیاں لگائی تھیں، ان کو بھی نبھایا نہ جاسکا۔ بلکہ صحیح صورت یہ ہے کہ بجاری مغربی سرمائے، مغربی فلتے، مغربی مصنوعات اور مغربی ٹیکنالوجی کا بہت بڑا حصہ روسی جارحیت میں شامل ہے اور درحقیقت روس کے ساتھ بالواسطہ طور پر مغربی قوتیں بھی افغانیوں کے خلاف ہونے والی جنگ میں حصہ دار ہیں۔ افغانیوں کے لیے ان کا جذبہ ہمدردی اتنا کمزور تھا کہ اولمپک گیمز میں علام شرکت کے جس علامتی اظہار بیزاری کا فیصلہ کیا گیا تھا، وہ بھی ناکام ہو گیا۔ ان باتوں سے اس نیم دل کا آغاز ہو سکتا ہے جو مغرب والوں کی ہمدردی افغانستان میں پائی جاتی ہے۔

مغرب والے ایک تیسرا کام بھی منطاط انداز سے کر رہے ہیں۔ وہ یہ کہ ان کی طرف سے یہ پروپیگنڈا بھی ہے کہ تحریک مجاہدین کے پاس کوئی تیادت نہیں ہے جو کامیابی کی صورت میں ملک کا نظام چل سکے اور ہو بھی تو مجاہدین ایک شدید ترین مخالف قوت کے خلاف سردھڑ کی بازی لگانا دینے کے عالم میں بھی پوری طرح متعہ نہیں ہیں، وہ اگر موجودہ آزمائش میں سے کامیاب ہو کر نکلیں بھی تو آپس میں دست و گریباں ہو جائیں گے، لہذا ملک کی تقدیر سنور نہ سکے گی۔ اس سے آگے یہ حرکت بھی کی جا رہی ہے کہ چھوٹی چھوٹی فرضی تنظیموں کے نام اچھلے جاتے ہیں۔ اور ان کے حوالے سے ناقابل حل اختلافات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ اس دھیسے پروپیگنڈے کو ایران کے داخلی احوال کی وجہ سے بھی تقویت مل رہی ہے۔

خیال رہے کہ عالمی پروپیگنڈے کی مغربی مشینری میں یہود کی قوت کو بڑا دخل ہے جو ہر خطے کے مسلمانوں کے خلاف مضامین لکھتے ہیں بلکہ خود مسلمانوں ہی افراط پھیلانے کے حربوں سے کام لیتے ہیں۔ آئیے سوچیں کہ مستقبل کی حکومت کے لیے کیا امکانات ہیں۔

ایک بات روز روشن کی طرح نمایاں ہے وہ یہ کہ افغانستان ایک مجاہدانہ تحریک اور اس کے عوام کی بے پناہ قربانیوں کے دور سے گزرنے کے بعد اب ویسا افغانستان نہیں رہا کہ اس پر قرون وسطیٰ کے طرز کی کوئی بادشاہت چل سکے۔ ظاہر شاہ بھی اس حقیقت کو سمجھتا ہے اور دونوں طرف سے اُسے ٹولنے والوں کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ وہ افغانستان کے تخت و تاج کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہے۔ مغربی ممالک اب جس بات کے درپے ہیں وہ یہ ہے کہ ظاہر شاہ یا پھر داؤد کے زمانے کے کچھ وزراء و سفراء کو بعض مذہبی شخصیتوں کے نہارے کھڑا کیا جائے اور ایک ایسی حکومت قائم کر دی جائے جو روس کے لیے بھی قابل قبول ہو۔

پردہ ہائے راز سے چھین چھینا کر جن لوگوں کے چہروں کی دھندلی سی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ ان میں سے ایک سردار ولی ہیں جو اس معاملے میں خاصی دلچسپی لے رہے ہیں۔ دوسری شخصیت سابق وزیر اعظم ڈاکٹر محمد یوسف کی ہے جو ختم شدہ شاہی خاندان کے ایک مہرے کی حیثیت سے جوڑ توڑ کی مہم میں لگے ہیں۔

لیکن ایسے تمام جوڑ توڑ ناکام ہوں گے۔ کیونکہ تحریک مجاہدین کی اپنی قیادت اُبھر آئی ہے۔ اور تمام افغان جہاد کے لیڈروں کے گرد جمع ہیں۔ نیز بیابان عوام یعنی مجاہدین اور ان کے

معاوین کو بھی معلوم ہے اور ان کے لیڈر بھی اس کا شعور رکھتے ہیں کہ اتنی بھاری قربانیاں دینے کے بعد اگر اسلامی نظام کے قیام کو مؤخر کر کے کسی سیکولر حکمران کو قبول کر لیا گیا تو پھر حالات کے بگاڑ پر دوبارہ اس درجے کی تخریک نہ اٹھائی جاسکے گی۔ وہ انسانی خون کے قطروں اور انسانی سروں اور لاشوں کی بوٹی ہوئی فصل کو کسی غیر اسلامی قوت کے حوالے نہیں کر سکتے۔

دراصل افغانستان میں روس کی مزاحمت کوئی پریٹیکل پارٹی نہیں کر رہی یا پارٹیوں کا کوئی متحدہ انتخابی محاذ مہم نہیں چلا رہا کہ سودا بازی اور جوڑ توڑ سے کام بن جاتے۔ وہاں تو گاؤں گاؤں قریے قریے میں تخریک جہاد چل رہی ہے۔ اب جو اصحاب اس تخریک کے لیڈر ہیں، افغانستان کا مستقبل انہی سے وابستہ ہے۔ باہر کا کوئی آدمی عوام اور مجاہدین کے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

مختلف قبائلی حلقوں میں سب سے زیادہ اثر حزب اسلامی افغانستان، جمعیت اسلامی افغانستان اور حرکت اسلامی افغانستان کو حاصل ہے۔ ایک اہم قوت پر وفیہ عبدالرسول سیاف جیسی محترم شخصیت کا قائم کردہ "اتحاد اسلامی برائے آزادی افغانستان" ہے۔ ان تنظیموں کے منازقاؤں میں پر وفیہ سیاف، انجنیر گلبدین حکمت یار، برہان الدین ربانی، محمد یونس خالص، مولوی محمد نبی، مولوی نصر اللہ ہیں۔ حالات کے دھارے کو یہ حضرات جدھر چاہیں، موڑ سکتے ہیں۔ ان میں سے بھی ہمارا اندازہ یہ ہے کہ جس امر پر پر وفیہ سیاف، انجنیر گلبدین، حکمت یار اور برہان الدین ربانی متفق ہو جائیں۔ دوسرے تمام لیڈر اور گروہ ان کا سامنے دیں گے۔ ماسوا کسی ایسے فرد یا گروہ کے جو کسی بیرونی قوت کے زیر اثر ہو۔

اہل مغرب کی پروپیگنڈا مشینری تخریک مجاہدین کے ان لیڈروں کی قیادت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں، اور نہ ان کو ویسی اہمیت دی جاتی ہے، جس کے یہ مستحق ہیں۔ انہیں تسلیم کرنے سے مغربی ذہن اس لیے بھی کسمپاس ہے کہ ان کی قیادت ملنے کے بعد کچھ خاص ذمہ داریاں عاید ہو جاتی ہیں، نیز تخریک مجاہدین کو ایک اتفاقی، جذباتی، جنونی، منفی اور دفاعی حرکت سے کچھ زیادہ ماننا پڑتا ہے۔

فی الحقیقت افغان عوام اور خاص طور پر ان کے لیڈروں کے لیے بہت بڑے امتحان کا یہ موقع ہے جس میں اگر خدا انھیں استودہ ذیل بہرگئے، تو آج قربانیوں کے نتیجے میں جو امکانات

اُن کو مل رہے ہیں، وہ دوبارہ تاقون تک نہ ملیں گے، بلکہ آگے چل کر جو روس نواز حکومت قائم ہوگی وہ آج کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا اُن سے خوفناک انتقام لے گی۔ اگر خدا ایک ہے جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہیں، اگر قرآن اور قبلہ ایک ہے تو امت محمدیہ جس خطے میں بھی ہو، ایک ہے۔ قبیلے اور برادریاں اور علاقے اور زبانیں اور رنگ یہ سب کچھ وحدت کے دائرے کے اندر آتا ہے۔ جو لوگ اسلام کا نام لے کر جدوجہد کر رہے ہوں انہیں اسلام کے تقاضائے وحدت کو پورا کرنا چاہیے، اور فیصلے کا وقت آنے سے پہلے پورا کرنا چاہیے۔

ہمارا مشورہ تو یہ ہے کہ تمام تنظیمیں گروہوں کے لیڈر مل کر مستقبل کی حکومت کا ایک مختصر ردس بارہ نکاتی، مشور مرتب کریں۔ اور اس پر سب دستخط کر کے اتحادِ کامل کا مظاہرہ کریں، بلکہ تحریکِ جہاد کو چیلانے کے لیے بھی ایک مجلسِ قیادت کا واحد امیر مقرر کر کے سو فیصدی انقیاد و اطاعت کا ایسا نمونہ پیش کر دیں کہ مخالفانہ پروپیگنڈے کی کمر ٹوٹ جائے اور افتراق کی امید لگانے والے ہمیشہ کے لیے مایوس ہو جائیں۔ جانیں قربان کر دینے سے مشکل کام اپنی اپنی لیڈری اور اپنے اپنے مفاد اور اپنے اپنے اختلافات کو ختم کر دینا ہے، مگر اس کے لیے عزمِ راسخ ہو تو یہ بالکل آسان بھی ہے۔

وحدت و اتحاد کے معنی یہ بھی نہیں کہ نظریاتی اور مقصدی طور پر تضاد و اختلاف رکھنے والے اشخاص اور گروہوں کو بھی کسی نہ کسی طرح گھسیٹ کر اپنی صفوں میں لاکھڑا کیا جائے، جن لوگوں کے دل و دماغ اُلٹے ہوں، وہ کسی مقصد کے علمبرداروں کے ساتھ شامل ہو جائیں تو ہر اہم موڑ پر وہ مصیبت کھڑی کر دیتے ہیں۔ سو نظریہ و مقصد کے لحاظ سے جن کا مزاج دوسرا ہو، اُن کو الگ ہی رہنے دیا جائے، ایسے لوگ اور کامل اتحاد قائم ہونے میں رخنہ اندازی کرنے والے تخریبی مزاج کے عناصر عوام کے سامنے از خود بے نقاب ہو جائیں گے۔ اور اُن کی کوئی مخالفت انگریزی چیل نہ سکے گی۔ بہر حال اصل دار و مدار تحریکِ مجاہدین کے اکابر پر ہے کہ وہ اس تحریک کی قربانیوں کے نتیجے میں اسلامی نظام حاصل کرنا چاہتے ہیں یا ان قربانیوں کو رائیگاں جانے دینے کا سبب بنتے ہیں۔

دیچراب کبیل سے اپنے آپ کو چھڑانا چاہتا ہے، مگر کبیل چھوڑنا نہیں۔ مشکل یہ ہے کہ روسی قضیے کے "سیاسی حل" کا بڑی اُلٹی صورت سامنے رکھتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ لوگ کان کو ہاتھ

بھی لگائیں اور لگائیں بھی گردن کے پیچھے سے ہاتھ کو گھما کر۔

اس کا مطالبہ یہ ہے کہ متصلا ممالک یعنی پاکستان اور ایران (جنہیں وہ افغانستان میں مداخلت کا مجرم گردانتا ہے) کارمل حکومت سے بات چیت کریں۔ یہ مطالبہ اس لئے بے تکا ہے کہ کارمل حکومت تو صرف پٹھو حکومت ہے۔ روس کی بنائی ہوئی حکومت، روس کا بٹھایا ہوا حکمران، روس کے ماہرین کے زیر اثر ساری انتظامیہ روس کی فوجی عملداری، روس کی بنائی ہوئی داخلہ اور خارجہ پالیسیاں اور افغان عوام کی جانوں، بستوں، کھیتوں اور عزتوں کی تباہی روس کے اشارہ پر ہوئی، پھر آخر روس اپنی اس تھیٹری حکومت کی ذمہ داری خود کیوں نہیں لیتا۔ وہ خود براہ راست بات چیت کرے۔ خود پاکستانی اور ایرانی حکمرانوں کے مشورے سے سیاسی حل نکالے۔ ورنہ پاکستان اور ایران بھاری روسی فوج کی موجودگی میں زیر جنگ اور زیر تباہی مملکت افغانستان کے ہارے میں برک کارمل کی پٹھو حکومت سے بات کر کے اسے سند جواز کیسے دیں۔ اس نکتے کا بھی تو حل ہونا چاہیے۔

برک کارمل کو الگ چھوڑ کر بین الاقوامی سطح کا ایک غیر جانبدار کمیشن مقرر کیا جاسکتا ہے، کوئی مختصر ثالثی کمیٹی اقوام متحدہ یا غیر جانبدار ملکوں کی طرف سے مامور کی جاسکتی ہے۔ ضرورت ہو تو برک کارمل صاحب کی نمائندگی بھارت کی اندر کر سکتی ہیں۔ غرضیکہ کسی صورت میں سوچی جاسکتی ہیں۔ اسلامی وزراء نے خارجہ کی کانفرنس نے جو کمیٹی مقرر کی تھی اس کو روس سیاسی حل کا ذریعہ بنا سکتا تھا۔ آخر برک کارمل کا حوالہ کیوں ضروری ہے۔ برک کارمل اور ان کی حکومت کو مجاہدین افغانستان کسی صورت تسلیم یا قبول نہیں کر سکتے۔ پھر کسی لیے حل سے کیا حاصل جو قبضے کے ایک بڑے فریق — بلکہ سب سے بڑے فریق — کے لئے قابل قبول نہ ہو۔

پیش نظر جھیدے میں اس مغربی ضرب المثل کو داخل نہ کیجئے گا کہ ”مجھے پیار کرنا ہو تو میرے کتے سے بھی پیار کرو“